اردو ڈرامے کا ارتقا

اردو ڈرامے کے اولین نقوش کے مطالعے سے جو باتیں سامنے آتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف وقتوں میں مختلف جگہوں پر جو ڈرامے یا اسٹیج کئے گئے مجموعی طور پر ان کے اغراض و مقاصد تھے۔ تبلیغی، تجارتی یا تفریحی۔ شروع میں تبلیغ کے لئے گرجوں نے اسٹیج کو استعمال کیا۔ ان کے ڈرامائی موضوعات و قصص عموماً بائبل سے ماخوذ ہوا کرتے تھے۔ بمبئی میں اپنی جڑوں کو مضبوط کر لینے کے بعد یہ چرچ والے دکنی اور اردو کی طرف بھی بڑھے اور جہاں جہاں گئے بڑے مذہبی جوش و خروش کے ساتھ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے سلسلے میں اردو ڈرامہ اسٹیج کی انہوں نے بنیاد رکھا۔ مرہٹوں، پارسیوں اور گجراتیوں نے دراصل اردو اسٹیج کے وسیع تر امکانات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا سہارا تجارتی مقاصد کی غرض سے لیا۔ انہوں نے اکثر ڈراموں میں مذہبی، نیم مذہبی اور اخلاقی پہلوؤں کو برقرار رکھا۔ چنانچہ جگن ناتھ شنکر سیٹھ کی کوششوں سے تعمیر شدہ بمبئی تھیٹر میں اردو کا پہلا ڈرامہ "راجہ گوپی چند اور جالندھر" ۲۶ نومبر ۱۸۵۳ء کو کھیلا گیا تھا۔ وہ بھی مذہبی تھا۔ اس کے مصنف ڈاکٹر بھاؤ داجی لاڈ تھے۔ جبکہ اس سے پہلے بھی مرہٹی، پارسی اور گجراتی اسٹیجوں سے جو تماشے دکھائے جاتے رہے ان کا مقصد بھی اخلاقی اور اصلاحی تھا۔ کم و بیش اسی زمانے میں لکھنؤ کے شاہی دربار اور عوام میں جو ڈرامے کھیلے گئے وہ محض برائے تفریح طبع تھے۔ واجد علی شاہ کے دربار کے جن شاہکاروں نے اس شوق کو عام کیا ان کی قابل توجہ اور سب سے اہم خصوصیت رقص اور موسیقی تھی۔ "رادھا کنہیا" ۱۸۴۳ء کے تک کھیلا گیا۔ اس کے انتظامات پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے۔ زعفران پری ہو یا لعل پری رئیس والیاں ہوں یا محفل والیاں۔ سب کے رنگ رنگ ملبوسات و زیورات کا اہتمام کیا جاتا اور شب "جلسہ" جمتے اور عشق و محبت کی داستانیں ہوتیں۔

تبلیغی اور تجارتی مقاصد کے لئے جو ڈرامے کھیلے گئے ان میں ڈرامائی عناصر کچھ کچھ مل جاتے ہیں کیونکہ خیر و شر کا تضاد ان اخلاقی تمثیلوں میں ضرور دکھایا جاتا تھا۔ وقفہ کم ہوا کرتا تھا۔ لوگ دلچسپیوں کے ساز و سامان برائے نام ہوا کرتے تھے۔ پہلے کے ڈراموں میں اور آج کے ڈراموں میں ایک واضح فرق ہے۔ ماحول بدل چکا ہے۔ پہلے بادشاہ اور اس کے امراء لطف لیا کرتے تھے۔ اب یہ فرد و بشر کی تفریح کا سامان ہو گیا۔ ناچ گانا ہی عوامی مزاج کا مطالبہ تھا۔ اس لئے ڈرامہ نگار ڈرامے میں [illegible] زیادہ سے زیادہ ناچ اور گانے کو کھپانے کی کوشش کرتا۔ اس وجہ سے بھی ڈرامہ عرصے تک فکر و فن کی بلندی سے محروم رہا۔

اردو ڈراموں کے ابتدائی دور کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد میں ڈراما کو صنف ادب کی حیثیت نہیں مل سکی تھی۔ ڈرامہ نگار نے عوام کے سفلی شوق کی تکمیل کے لئے ان کے مزاج کے مطابق ویسے ڈرامے لکھے جن میں کھوکھلا ڈرامائی واقعات ہوتے تھے۔ "راجہ گوپی چند اور جالندھر" کے سلسلے میں شمس کنول لکھتے ہیں:

"وہ اردو زبان کا یہ پہلا ڈراما باقاعدہ شکل میں عوام و خواص کے سامنے ۲۶ نومبر ۱۸۵۳ء کو پیش کیا گیا اور اسی طرح بمبئی میں اردو عوامی تماشا کی پہل ہوئی۔ یہ ڈراما ہر کسی کو پسند آیا۔ اپنے وقت کا گورنر بھی اس کو دیکھ کر لطف اندوز ہوا ———"

Scanned with CamScanner

ابتدائی سفر میں مرثیوں اور پارسیوں نے اردو اسٹیج کو بہت سہارا دیا جس کی وجہ سے اردو اسٹیج کے ابتدائی نقوش واضح ہوتے چلے گئے۔ ۱۸۸۱ء تک ایک غیر یقینی صورتِ حال رہی اس کے بعد چند ڈرامے ہی قابلِ ذکر نظر آتے ہیں۔

۱۸۸۵ء سے اردو ڈراموں کا دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ اس وقت تک اردو ناٹکوں کا چرچا عام ہو گیا۔ لیکن تہذیبی زندگی میں اب بھی اسے کوئی مقام حاصل نہ تھا اس لئے با صلاحیت فنکار اس صنف میں اپنی تخلیقی جوہر کا استعمال کرتے ہوئے کچھ ہچکچاتے تھے۔ ۱۸۸۷ء میں مولانا محمد حسین آزاد نے گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل کی فرمائش پر "شیکسپیئر" کو اردو جامہ میں منتقل کرنا شروع کیا۔ لیکن مکمل نہ کیا جا سکا۔ اس کے بعد انہوں نے ڈراما "اکبر" لکھنے کا بیڑا اٹھایا یہ بھی ادھورا ہی رہا۔ بعد میں مولانا کے ایک شاگرد نے اسے مکمل کیا۔ اس دور کے ڈراما نگاروں میں بزرگ لاہوری، طالب بنارسی، حسینی میاں ظریف اور رونق بنارسی وغیرہ کا اہم نام ہے۔

تیسرا دور اردو ڈراما کے فروغ و ارتقاء کے لئے سارے امکانات کے ساتھ ۱۸۹۶ء سے شروع ہوا۔ احسن لکھنوی، پنڈت نرائن پرشاد بیتاب دہلوی، محمد ابراہیم محشر انبالوی، سید کاظم حسین، علامہ محی الدین نازاں دہلوی، ذاکر لکھنوی اور آغا محمد شاہ حشر کاشمیری اس عہد کے نمائندہ ڈراما نگار تسلیم کئے جاتے ہیں۔ احسن لکھنوی کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اردو اسٹیج کو فنی خوبصورتی عطا کی۔ پروفیسر وقار عظیم لکھتے ہیں:

> "احسن لکھنوی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پہلے پہل شیکسپیئر کو اردو داں طبقے سے روشناس کرایا۔ خونِ ناحق، شہیدِ وفا اور دلفروش شیکسپیئر کے مشہور ڈراموں ہیملٹ، اوتھیلو اور مرچنٹ آف وینس کے ترجمے ہیں۔ مگر یہ ترجمے کچھ بالکل اصل کے مترادف نہیں ہیں ہندوستانی تماش بینوں کے ذوق و مطالبہ کے پیشِ نظر احسن نے ان میں بہت سی تبدیلیاں کی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ترجمے کم اور چربے زیادہ ہیں۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دور میں اردو ڈراما نگاری نے ترقی کے چند زینے طے کئے مگر فکر و خیال کی پستی برقرار رہی۔ پارسیوں نے ڈراما اور اسٹیج کو بالکل کاروباری بنائے رکھا۔ سستی رومانیت اور حسن و عشق کی فرضی کہانیوں کے ڈرامے متوسط طبقہ کی تفریح و تسکین کا سامان بہم کر کے زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ ان کا بنیادی مقصد تھا۔

اردو ڈراموں کا چوتھا دور یعنی ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۰ء تک کا زمانہ سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے اہم ہے۔ پہلی جنگِ عظیم کے خاتمہ کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ہندوستانیوں کے اندر ۱۸۵۷ء کی چھپی ہوئی آگ انگڑائیاں لینے لگی تھی۔ وطنی محبت، آزادی اور قومی اتحاد کے احساسات جاگ اٹھے تھے۔ ہندوستانیوں کی آرزوؤں اور حسیاتی زندگیوں کے پرانے نقشے مسمار کئے جا چکے تھے۔ لیکن نئے نقشہ میں رنگ روپ بھرنا باقی تھا۔ کوششیں جاری تھیں۔ زندگی کا

سٹیج ڈراما کا واقعات و نشیب و فراز سے بھرے پڑے تھے۔ ۱۹۳۰ء سے جو دور
شروع ہوا۔ اس کے اوائل میں نور الٰہی، محمد عمر، پریم چند، سدرشن، کرشن چندر، زیبا
سجاد حیدر یلدرم کے نام اہم ہیں۔
اس دور کا اردو ڈراما اسٹیج سے قریب قریب غیر متعلق ہو گیا۔
اردو ڈراما عوام کے سطحی ذوق اور پست معیار جس میں اب فلمیں گرفتار
ہیں سے نکل کر بہتر تھا۔ ایک ایسی کھلی فضا میں آ گیا جہاں اسٹیج کا عمل ادا کی
تو ہیں ہے۔ مگر زندگی کے پیکار و تضاد اور حقیقی مسائل پائے جاتے ہیں کہ
اس دور کے ڈرامے اصلاحی، سماجی، بیداری کی آئینہ داری کرتے ہیں۔ اگر اس دور
میں اردو ڈراما کو ترقی یافتہ اسٹیج مل جاتا تو ترقی دونوں اعتبار سے
بے حد منزل عروج کے قریب پہنچتی۔